مقالات

مقتضیات ایمان

(جناب مولانا صبغۃ اللہ صاحب بختیاری)

(۲)

ایمانیات خمسہ اور ان کی ضروری تشریح

قرآن نے تمام انسانوں کے لیے جو نظام شرعی پیش کیا ہے۔ اس میں افکار، اعمال، معاملات، اور انفرادی واجتماعی حالات کے لیے پانچ امور مقرر کر دیے ہیں جن کی بنیاد پر ساری عمارت کھڑی ہے۔ یہ نہ ہوں تو پھر کسی قسم کی کوئی تعمیر ہو ہی نہیں سکتی۔ اور ان پانچوں میں اتنی شدید اور پرزور وابستگی ہے کہ ان کو ایک دوسرے سے کسی حال میں علیحدہ نہیں کر سکتے۔ ان پانچوں میں سب سے پہلے وہ حقیقت ہے جو بقیہ چاروں کے لیے اساس کا رکا کام دیتی ہے۔ اگر اس سے قطع نظر کر لیجیے تو پھر کسی کا بھی باقی رہنا ممکن نہیں۔ وہ پانچ امور یہ ہیں:۔

اولاً اللہ پر ایمان لانا، ثانیاً فرشتوں پر ایمان لانا، ثالثاً اللہ کی طرف سے آئی ہوئی کتابوں پر ایمان لانا، رابعاً اللہ کے رسولوں اور نبیوں پر ایمان لانا، خامساً یوم آخرت اور جزا و سزا پر ایمان لانا۔

ان میں سے ہر ایک پر ایک نظر ڈال کر دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کا دوسرے سے مضبوط رشتہ کیوں ہے؟ فرشتوں پر ایمان اسی لیے تو ہے کہ وہی اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی وحی کا اولین وسیلہ ہیں۔ رسولوں پر ایمان اسی لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ ہی کی طرف سے مبعوث ہو کر آئے ہیں، اللہ ہی کے پیغام کی اپنے ہر قول اور فعل سے ترجمانی کرتے ہیں، اللہ ہی کی مرضی کے نمائندے بن کر حق کی دعوت دیتے اور انسانی زندگی کے لیے صحیح رویہ متعین کرتے ہیں۔ یوم آخرت اور اس کی جزا پر ایمان بھی اسی حیثیت سے قابل لحاظ ہے کہ اس دن اللہ کے عدل و انصاف کا کامل مظاہرہ ہوگا، حس و عقل کے سارے پردے اٹھ جائیں گے، سچے

ایماندار اور منافق و کافر سب الگ الگ کر دیے جائیں گے، اور ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

ایمان باللہ کیا ہے؟ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟ اللہ اور اس کی ذات و صفات کو ٹھیک ٹھیک اس طرح مان لینا جس طرح انھیں ماننے کی قرآن نے تلقین کی ہے۔ صرف اس حد تک مان لینا نہیں کہ کوئی مافوق الطبیعت سب سے بڑی اور سب سے اونچی ہستی موجود ہے جس کی قوت ایجاد سے یہ پوری کائنات وجود پذیر ہوئی ہے اور وہ دنیا کو پیدا کرنے کے بعد اس سب سے بےتعلق ہو کر علیحدہ بیٹھ گئی ہے۔ کائنات کے نظم و نسق اور اس کے بننے بگڑنے سے اس کو کوئی سروکار نہیں رہا۔ دنیا و مافیہا سے اس کا تعلق بس اس حد تک ہے کہ وہ آسمان و زمین اور علوی و سفلی مخلوقات کی پیدا کرنے والی ہے۔ انسان کے معاملات اور اس کی زندگی کے حالات سے اس کا کوئی علاقہ نہیں۔ زندگی کی مشین کو باضابطہ اور باقاعدہ چلانے کے لیے انسان کی حس و عقل اور وجدان کی قوتیں کافی ہیں۔ تجربات و مشاہدات کی روشنی میں اپنی انفرادی و اجتماعی، معاشی و سیاسی ہر قسم کی ضروریات کے لیے وہ اپنا نظام کار بنا کر اس کو کامیابی کے ساتھ چلا سکتا ہے۔ ہاں چونکہ ایک امر واقعہ کی حیثیت سے ایک خدا بھی ہے جس کو اس نے پیدا کیا ہے اس لیے اسے بھی مانتے رہنا چاہیے۔ اس طرح کا ماننا اور نہ ماننا دونوں یکساں ہے اور اس طرح کا ماننا ہرگز ایمان باللہ نہیں ہے جس کا مطالبہ قرآن مجید کرتا ہے۔

الوہیت اس طرح اللہ کو ماننا اور نہ ماننا دونوں برابر ہیں۔ ان دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ قرآن نے جن قوموں میں انبیاء کی بعثت کا ذکر کیا ہے ان میں "عدم ایمان" اس معنی میں نہیں تھا کہ وہ اللہ کو خالق کائنات اور خالق ارض و سموات نہ مانتے ہوں۔ قرآن نے نہایت صاف صاف لفظوں میں اسی معنی کے لحاظ سے انھیں اللہ کو ماننے والا تسلیم کر کے ان کو تنبیہ کی ہے کہ یہ ماننا کافی نہیں ہے۔ یہاں ہم قرآن کی چند آیتیں پیش کیے دیتے ہیں جن کے مطالعہ سے بالکل غیر مشتبہ طور پر یہ حقیقت سامنے آجائے گی اور اس بارے میں جو طرح طرح کے مغالطے لوگوں کو ہیں وہ دور ہو کر حق کی روشنی نمودار ہو جائے گی۔

سورۂ مومنون میں ارشاد فرمایا جاتا ہے:۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ؟ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ۔ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ

دریافت کرو کہ ساری زمین اور جو کچھ بھی اس میں ہے آخر وہ کس کی ملک ہے اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ وہ کہیں گے اللہ کی ملک ہیں تو کہو، کیا تم نصیحت پذیر نہیں ہوتے؟ ان سے کہو، ساتوں

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ؏ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ؏ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ؏ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ؏ (مومنون - ۶)

آسمانوں اور بڑے عرش کا مالک کون ہے؟ وہ کہیں گے کہ اللہ ہی کے لیے ہے۔ پوچھو کہ جب ایسا ہے تو پھر کیوں اس کا تقویٰ نہیں اختیار کرتے ہو۔ ان سے دریافت کرو وہ کون ہے؟ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا پناہ نہیں دے سکتا، تو اگر تم کو علم ہے، وہ پھر یہی کہیں گے کہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے، تو پھر کہو کہ تم کہاں بھٹکائے جا رہے ہو۔

اور ایک جگہ فرمایا ہے :-

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (عنکبوت - ۶)

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کر رکھا ہے؟ وہ یقیناً کہیں گے اللہ ہی نے (یہ سب کچھ کیا ہے) تو پھر یہ لوگ کہاں بھٹکائے جا رہے ہیں۔

اور ایک مقام پر فرمایا گیا ہے :-

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (عنکبوت - ۶)

اور اگر تم ان سے سوال کرو کہ اوپر سے پانی کس نے برسایا اور زمین مردہ کو اس کے ذریعہ زندہ کر ڈالا تو ضرور وہ کہیں گے کہ اللہ ہی نے یہ کیا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (زخرف - ۷)

اور اگر ان سے پوچھو کہ کس نے ان کو پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے اللہ ہی نے، تو پھر یہ لوگ کہاں بھٹکائے جا رہے ہیں؟

قرآن مجید کی ان آیتوں سے یہ بات صریحاً معلوم ہو رہی ہے کہ جہاں جہاں انسانی آبادیوں میں اللہ کی طرف سے اس کے رسول اور پیغمبر بھیجے گئے تھے وہاں کے لوگوں کو اللہ کے وجود کا یا اس کے مدبر ہونے کا یا اس کی تخلیق و تکوین کا انکار نہ تھا۔ وہ تسلیم کرتے تھے کہ آسمانوں، زمین اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ انھیں اس امر کا اعتراف تھا کہ خود ان کو خلعت وجود سے نوازنے والا اللہ ہی ہے۔ وہ یہ بھی اقرار کرتے تھے کہ زندگی کے تمام سر و سامان جو انسان

کے لیے لازمی ہیں، اللہ ہی کی عنایت و بخشش کا ثمرہ ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے اقرار و اعتراف کے باوجود وہ اللہ پر ایمان اس اعتبار سے لانے کے لیے تیار نہ تھے کہ وہی اللہ ان کا تنہا معبود اور اکیلا حقیقی مالک بھی ہے۔ تمام خداؤں کی خدائی اور سارے آقاؤں کی آقائی چھوڑ کر سب کی حکم برداری، فرماں پذیری اور تسلیم و اطاعت سے منہ موڑ کر صرف اس ایک ان دیکھے خدا کو اس طرح مان لیا جائے کہ اسی کے آگے سر نیاز جھکا کر جبہ سائی کرنے لگ جائیں اسی کی بے شرط اطاعت گزاری قبول کر لی جائے۔ اس کے مقابلہ میں اپنے نفس کی تمام خواہشات و میلانات سے بکلی دست بردار ہو کر ہر طرح سے اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دیا جائے۔ الوہیت کا دراصل یہی مفہوم تھا جو ہر جہت سے کامل و جامع تھا اور سارے رسولوں، نبیوں اور پیغمبروں نے دنیا والوں کو اسی کی طرف دعوت دی، لیکن انھیں اس پر تعجب ہی رہا اور وہ برابر یہی کہتے رہے:

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ — کیا اس رسول نے سارے الہوں کا ایک الہ بنا ڈالا،

هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ — یہ تو بہت ہی عجیب چیز ہے۔

انھیں بار بار سمجھایا اور بتایا گیا کہ معبود برحق اور الہ حقیقی تو ایک ہی ہے

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ — بے شک تم سب کا معبود ایک ہی "الہ" ہے۔

لیکن مشرکین اس حیثیت سے خدا کو ماننے پر راضی نہ ہوئے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ کی الوہیت ان تمام مفہوموں کے ساتھ ماننی چاہیے جو الوہیت کے لفظ کے اندر مضمر ہیں اور جو اس سے لازم آتے ہیں۔ اسی طرح کے ماننے سے انسانی زندگی میں وہ انقلاب رونما ہوتا ہے جس کا برپا کرنا قرآن کا مقصد ہے۔ یہ چیز جب مقصدی حیثیت سے ذہن نشین ہو جاتی ہے تو اپنے آپ کو انسان اپنے معبود حقیقی کا بندہ، رعیت اور غلام محسوس کرتا ہے اور اسی کی غلامی میں اپنے تمام اوقات اپنی ساری طاقتوں، اپنے دل و دماغ کی سب قوتوں، اپنے اعضا و جوارح کی ایک ایک نقل و حرکت کو صرف کرتا ہے۔ اس طرح جب اللہ پر ایمان لایا جاتا ہے تو پناہ بھی اسی کی ڈھونڈی جاتی ہے، کسی اور کی طرف رجوع نہیں کیا جاسکتا اور اللہ کے تعلق میں سچا روحانی سکون، قلبی اطمینان اور چین نصیب ہوتا ہے۔ راحت ہو یا مصیبت، آرام ہو یا تکلیف، بیماری ہو یا صحت، فارغ البالی ہو یا مفلسی ہر لمحہ اس کے ساتھ

وابستگی رہتی ہے۔ اگرچہ اللہ اپنی ذات کے لحاظ سے نہ سر کی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے اور نہ عقل و ادراک ہی سے اس کا احاطہ کر لینا ممکن ہے۔ مگر حقیقی مومن باللہ اس کی تجلیات و انوار، اس کی صفات کاملہ کی کرشمہ سازیاں، اس کی قدرت قاہرہ کی نیرنگیاں آفاق و انفس میں، دیکھتا رہتا ہے، جس سے اس کا ایمان باللہ دم بدم زیادہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے، اللہ کی الوہیت کا کامل یقین ہو جاتا ہے۔ اس کے ایمان میں مضبوطی، پختگی، جماؤ اور ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ نفس کی بندگی سے بالکل آزاد ہو جاتا ہے اور اس کے اندر اپنی خودی کا اتنا بچا تلا عرفان پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کی پیشانی نہ کسی پتھر کی مورتی کے آگے جھکتی ہے اور نہ کسی قاہرانہ طاقت کے آگے وہ سر تسلیم خم کرتا ہے۔ اینٹ چونے کی قبریں، قومی یادگاریں، مقبرے وغیرہ اس کی نگاہوں میں ہیچ ہو جاتے ہیں وہ تمام اوہام و خرافات سے بالکل کنارہ کش ہو کر صرف اللہ کے اس نظام تشریعی کا متبع بن جاتا ہے جو اس نے اپنے رسول پر اتارا ہے۔

ربوبیت ایمان باللہ کے لیے جس طرح الوہیت کا اقرار و اعتراف ضروری ہے۔ اسی طرح اللہ کی ربوبیت بھی ماننی اور تسلیم کرنی ضروری ہے۔ ربوبیت کا مفہوم بھی اتنا ہی جامع، وسیع اور عام ہے جتنا الوہیت کا مفہوم ہے۔ قرآن اور لغت کے تتبع سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے رب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہی کائنات اور انسان کی پرورش کرنے والا، ضرورتوں کو بہم پہنچانے والا، ہر چیز کو نشو و نما دینے والا، سب کی کفالت، خبر گیری، دیکھ بھال کرنے والا ہے۔ وہی پوری کائنات کے لیے ایسی مرکزیت کی شان رکھتا ہے کہ اس پر سب متفرق مجتمع ہو سکتے ہیں۔ وہی ایسا حقیقی اور بے شریک مطاع ہے کہ اس کا حکم ہر ایک پر چلتا ہے حقیقت میں اسی کا اقتدار اعلیٰ ہے، اسی کے لیے فوقیت اور بالادستی ہے، اسی کا سب پر تصرف ہے وہی سب کا آقا، مالک اور مربی ہے۔

دور قدیم سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن کے زمانے تک جتنی جن قوموں کا قرآن نے ذکر کیا ہے کہ وہ اللہ کی زمین کو اپنے ظلم و عدوان، سرکشی و طغیان، بغاوت و خباثت، تکبر و رعونت، اور شر و فساد سے ناپاک اور نجس کر رہی تھیں، وہ اللہ کے رب ہونے کی کس معنی کے لحاظ سے منکر تھیں؟ کیا وہ اللہ کی پروردگاری کا انکار کر رہی تھیں؟ ایسا نہیں تھا۔ وہ اللہ کی ربوبیت کی قائل تھیں،

البتہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے اور ربوبیت سے حصے بخرے کر ڈالے تھے۔ وہ اللہ کے رب ہونے کو یوں سمجھتے تھے کہ ایک فوق الفطرت ہستی ہے جس کا کام بس اپنی مخلوقات کو پالنا، پوسنا، ان کی خبر گیری کرتے رہنا، ان کی حاجتوں کا پورا کرنا، اور ان کی نگہبانی و کفالت کرنا ہے۔ یہ سب کچھ ان کے نزدیک اللہ کی ربوبیت کے مفہوم میں داخل تھا اور اس سے ان کو انکار نہیں تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ اللہ نے اپنی ربوبیت کے ان تمام شعبوں کو سہولت کار کے لحاظ سے بانٹ رکھا ہے۔ فرشتوں، نبیوں، ولیوں، جنوں اور دیوتاؤں اور اجرام فلکی مثلاً چاند، سورج اور ستاروں کو اس نے اپنی ربوبیت میں حصہ دار مقرر کر دیا ہے۔ وہ اس حیثیت سے شرک کے مرتکب تھے اور انبیاء کرام کی دعوت حق کا محوری نقطہ اسی شرک کا ابطال تھا۔ اللہ کے رب ہونے کا یہ مفہوم کہ وہ خود اپنے اختیار سے امر و نہی کرنے والا ہے، تمام اقتدارات کا تنہا مالک ہے، حق و ہدایت کا وہی راہ نما ہے، وہی قانون ساز ہے، وہی اپنے ملک کا حقیقی بادشاہ ہے، اور اپنی مملکت کائنات کا رئیس ہے، ان لوگوں کے یہاں مفقود تھا۔ اس اعتبار سے وہ اللہ کو نہیں بلکہ بڑی بڑی انسانی ہستیوں کو رب مانے ہوئے تھے۔ اللہ کو خالق و پروردگار جاننے کے باوجود اور نظری طور پر اس کے قائل ہونے کے باوصف، وہ عملی طور پر تہذیب و تمدن، اخلاق و معاشرت، معیشت و سیاست، اجتماع و عمران میں اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کو ارباب من دون اللہ مان کر ان کی قیادت و سیادت، حاکمیت و بالادستی، قانون سازی و فرماں روائی کے آگے جبہ سائی کرتے اور ان کی طاعت کا دم بھرتے۔ قرآن مجید نے اسی پہلو سے ان کو مشرک قرار دیا اور ان کے غلط عقائد کی تردید کی اور ان کو توحید خالص کی دعوت دی کہ تم لوگ جس طرح اللہ کی الوہیت کا ناتمام اور ناقص اعتراف کرتے ہو اسی طرح تمھارا ربوبیت کا اقرار بھی ناقص اور مشرکانہ ہے۔ اور ان پر اچھی طرح واضح کر دیا کہ اس بارے میں تمھارا رویہ غلط ہے۔ اور اسی غلطی سے ہزاروں غلطیاں پیدا ہو کر سارے نظام زندگی کو فاسد کر رہی ہیں۔ یہ حقیقت قرآن مجید کی بہت سی آیتوں سے واضح ہو رہی ہے۔ ہم بطور نمونہ چند یہاں نقل کیے دیتے ہیں۔

ایک مقام پر قرآن میں ربوبیت کا ذکر کیا ہے اور تفصیل سے تکوینی نشانیوں کو پیش کر کے بتایا ہے کہ "خلق" اور "امر" دونوں صفتوں سے اللہ تعالیٰ ہی متصف ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (اعراف - ۷)

خبردار ہوجاؤ اسی اللہ کی خلق ہے اور اسی کیلیے امر بھی ہے بڑا بابرکت ہے اللہ جو جہانوں کا رب ہے۔

اسی طرح ایک جگہ یہ بتانے کے بعد کہ تمھیں آسمان و زمین سے جو رزق دے رہا ہے، تمھاری بینائی و شنوائی کا جو مالک ہے، زندہ کو مردہ سے، مردہ کو زندہ سے جو نکالتا ہے، جو ہر معاملہ کی تدبیر کر رہا ہے، وہ اللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہے، تو اُسی کو تم اپنا رب مانو:

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ (یونس)

پس یہی اللہ تمھارا حقیقی رب ہے، اس حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا رہ جاتا ہے۔ آخر تم کہاں بھٹکائے جا رہے ہو۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہو رہا ہے کہ آسمان، زمین، رات، دن، چاند، سورج سب اپنا اپنا مقرر وظیفہ ادا کیے جا رہے ہیں، یہ سب کچھ جسکی قدرت کا کرشمہ ہے وہی رب ہے، اور اسی کے لیے بادشاہی ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ (زمر - ۱)

یہی اللہ تمھارا رب ہے، ملک اسی کا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، آخر تم لوگ کہاں پھیرے جا رہے ہو۔

ایک اور موقع پر، خاص طور پر، اہل کتاب کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے:

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْــًٔا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران - ۷)

کہو، اے اہل کتاب اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے تمھارے درمیان یکساں مسلم ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو، اللہ کو چھوڑ کر، رب بنائے۔

ایک جگہ اہل کتاب کی شکایت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ -)

ان لوگوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور راہبوں کو رب بنا لیا ہے۔

اس آیت کریمہ کو سن کر حضرت عدی ابن حاتم نے جو پہلے عیسائی تھے اور پھر مسلمان ہو چکے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں عرض کیا کہ ہم لوگوں نے احبار و رہبان کو رب تو نہیں بنا لیا تھا کہ ان کو پیدا

کرنے والا اور دینے لینے والا سمجھ لیا ہو۔ حضور نے فرمایا کیا ایسا نہیں تھا کہ تم لوگوں نے ان کے حلال کیے ہوئے کو حلال اور ان کے حرام کیے ہوئے کو حرام قرار دے رکھا تھا؟ عدی نے کہا، ہاں یہ تو ضرور ہوا۔ آپ نے فرمایا یہی ان کو رب بنا لینا ہے۔" اس سے صاف معلوم ہوا کہ ربوبیت کے مفہوم میں تکوینی اور تشریعی دونوں پہلو داخل ہیں اور حاکمیت، سلطانی فرماں روائی اور قانون سازی سب پر یہ لفظ مشتمل ہے۔

مالکیت جس طرح اللہ کی الوہیت اور ربوبیت کا ماننا ایمان باللہ کے لوازم میں سے ہے اسی طرح اس کی مالکیت و بادشاہی کا ماننا بھی ضروری ہے۔ گو یہ مفہوم و مدعا دونوں مذکورہ بالا صفتوں میں بھی پورا موجود ہے تاہم مستقل طور پر ایک اور صفت مالک کی بھی ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ قرآن مجید نے اللہ کے لیے اس صفت کو بہت تاکید کے ساتھ ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ جب ساری کائنات اسی کی مخلوق و مربوب ہے تو اسی کی رعیت اور مملوک بھی ہے۔ سارا ملک جب اسی کا ہے تو پھر کسی غیر کی بادشاہی اس کے ملک میں کیسے چل سکتی ہے جو لوگ اس کے مدعی بنے بیٹھے ہیں وہ ناجائز مالک بلکہ غاصب ہیں۔ اللہ کی زمین اور اس کے بندوں پر اس کی بادشاہت کے سوا کسی اور کی بادشاہت کا تسلط نہ صرف یہ کہ صحیح نہیں ہے بلکہ فساد اور تباہی اور ہلاکت و بربادی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ جب تک نظام دنیا اللہ کے بھیجے ہوئے اور نبیوں کے لائے ہوئے فطری قوانین کے تحت نہ ہو، ہر مومن کے ایمان باللہ کا تقاضا ہے کہ وہ چین سے نہ بیٹھے اور خدا کی زمین میں خدا کے قانون کو جاری و نافذ کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دے۔ اس بارے میں قرآن حکیم نے نہایت صفائی کے ساتھ ہمیں وہ سب کچھ بتا دیا ہے جو ہمیں جاننا چاہیے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں اہل حق کی دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ اس کے ذرائع اور وسائل کی تعیین میں کچھ جزئی اختلاف ہو سکتے ہیں جس کی چنداں اہمیت نہیں لیکن اصل مدعا میں کسی اختلاف کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔ یہاں ہم چند آیتیں پیش کرتے ہیں جن میں اللہ کی بادشاہی کا غیر منقسم ہو جانا واضح کر دیا گیا ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ
مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ

کہو اے اللہ تو ملک کا مالک ہے (اپنے اصول تکوینی وتشریعی کے تحت) جس کو چاہتا ہے ملک بخش دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے

الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (آل عمران) — عزت دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے، تیرے ہی قبضہ میں ساری بھلائی ہے یقیناً تو ہی ہر چیز پر (تکوینی و تشریعی ہر حیثیت سے) قدرت رکھنے والا ہے۔

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُ (فاطر) — یہی اللہ (جس کی قدرت کی تکوینی نشانیاں تم نے دیکھیں) تمارا رب ہے، اسی کے لیے سارا ملک ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا (اسراء - ۱۲) — اور کہو کہ ساری تعریف تو اس اللہ ہی کے لیے ہے جس کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ اور نہ کوئی اس کے ساتھ ملک میں شریک ہے اور نہ اس کے لیے کوئی کمزوری کی وجہ سے اس کا کارساز ہے، اور اس کی خوب کبریائی بیان کرتے رہو۔

فَالْحُکْمُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ (مومن - ۲) — پس حکم اللہ ہی کے لیے ہے جو برتر ہے اور کبریائی رکھتا ہے۔

وَلَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖ اَحَدًا (کہف - ۳) — اور اللہ اپنے حکم میں کسی اور کو شریک نہیں کرتا۔

ایمان باللہ کے لیے ہر حال میں اس کی توحید ذات اور توحید صفات دونوں کا ماننا ضروری ہے۔ تین مذکورہ صفتوں کے علاوہ بھی بہت سی صفات الٰہی ہیں مثلاً علم، ارادہ، احاطہ، حیات بخشنا، موت دینا، قدرت، سمع، بصر وغیرہ لیکن اگر غور کیا جائے تو تمام صفات کا مرجع صرف یہی تین یعنی الوہیت، ربوبیت، اور مالکیت ہیں باقی سب انہی کے توابع ہیں۔

گویا اللہ کو مان لینے کا خلاصہ یہ ہوا کہ ایک ہی ہستی ہے جو الٰہ ہونے، رب ہونے، اور بادشاہ حقیقی ہونے کے لائق ہے اور سارا کارخانۂ کائنات اسی پر قائم ہے۔ وہ ایسا فرماں روا ہے جس کو ذرہ ذرہ کا علم اجمالی و تفصیلی حاصل ہے۔ ساری چیزوں کو دیکھتا ہے، سب کی سن لیتا ہے، اس کی قدرت کے احاطہ سے کوئی شے بھی خارج نہیں ہو سکتی۔ وہ ایسا خبیر و بصیر ہے کہ اس کے انتقام سے بھاگ کر کہیں بھی کوئی پناہ نہیں حاصل کی جا سکتی۔ یہی وہ تصور صفات باری ہے جس پر انسانیت کی تعمیر انبیاء نے کی ہے اور اسی کی دعوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

غور تو کیجیے کہ کتنا مبارک ہوگا وہ نظام زندگی جس کی تعمیر اس تصور پر کی گئی ہو کہ یہ کائنات اور انسان

بے خدا نہیں ہے بلکہ ایک مقتدر اعلیٰ ہے جو پیدا کرنے اور پالنے کے ساتھ ساتھ اپنی بادشاہی بھی چلا رہا ہے۔ اس نے اپنی رعیت انسان کو، ظاہر و باطن میں، سرو سامان زیست اور بے شمار طاقتیں دے کر، اور اپنی مرضیات سے نبیوں کے توسط سے، آگاہ کر کے واضح کر دیا ہے کہ تم کو میرے سامنے جلد ہی کے لیے آنا ہوگا اور اس وقت نہ تو بغیر اسکی اجازت کے کسی کی سفارش چلے گی اور نہ کوئی کفارہ بن کر کسی کے گناہوں کو بخشوا سکتا ہے۔ ہر انسان صرف اپنے ایمان اور عمل کا بدلہ پائے گا۔ اللہ رحیم و رحمان ہے، اس کو نیکی پسند ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کی قانون رحمت کے تحت ایک دوسرے پر رحم کریں۔ وہ غفور ہے اور چاہتا ہے کہ انسانوں کا آپس میں رویۂ زند رفت اتنا صحیح ہو کہ وہ ایک کنبہ بن کر رہیں، اسی کے حکم پر چلیں اور ایک دوسرے کی لغزشوں، خطاؤں پر بے جا گرفت کرنے کے بجائے عفو و درگزر سے کام لیں۔ وہ عادل ہے اور اپنے بندوں میں عدل و قسط کے قیام و بقا کو محبوب رکھتا ہے۔ وہ منعم ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح اس نے لوگوں پر انعام کیا ہے لوگ دوسروں پر انعام کریں۔ وہ محسن ہے اور احسان اور شکر گزاری کو محبوب رکھتا ہے۔ وہ منصف ہے، اس وجہ سے لازم ہے کہ انسان اس کے انصاف میں سزا پانے سے ڈرے اور جزا پانے کی طمع رکھے۔ وہ علیم و خبیر ہے، دلوں کی چھپی ہوئی نیتوں اور سارے پوشیدہ بھیدوں کو جانتا ہے، اس وجہ سے انسان اپنی ظاہری ایمانداری اور بناوٹی تقویٰ شعاری سے اس کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ وہ محیط ہے اس کے قانون کی خلاف ورزی کر کے کوئی مجرم و عاصی اس کی پکڑ سے بھاگ نہیں جا سکتا۔

ایمان باللہ کے اس نقشہ پر جن افراد کی تربیت ہو گئی ان سے جو مضبوط اور بلند سیرت گروہ منظم ہوگا وہ انسانیت کے لیے سراپا خیر و برکت ہوگا اور اس کی سعی سے دنیا میں جو نظام اجتماعی برپا ہوگا وہ امن عالم کا ضامن اور کفیل ہوگا۔ ان تصورات کے رکھنے والے مومنین کے آگے کبھی مجرد دنیوی اور مادی حکومت نہیں ہو سکتی بلکہ پوری انسانی زندگی میں وہ انقلاب چاہیں گے جو اللہ کے رسولوں کے ذریعہ سے برپا ہوا۔ جس کے لیے اللہ نے ہمیشہ اپنے نبیوں کو بھیجا، کتابیں اتاریں اور آخر میں اس سلسلہ کو قرآن اور حامل قرآن پر ختم کیا۔ اور امت مسلمہ کے لیے بحیثیت ایک با مقصد جماعت کے یہی نصب العین مقرر کیا۔ یہی وہ چیز ہے جس کو ہم "حکومت الٰہیہ" یا "اقامت دین" یا "اتباع شریعت" کے لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں یہ ایمان باللہ کے لوازم میں سے ہے۔ اگر اس کو چھوڑ

دیا جائے تو پھر "ایمان باللہ" کی روح غائب ہو جاتی ہے۔

نتائج و ثمرات اللہ کی ذات و صفات کے بارے میں صاف، سیدھے اور فطری طریقہ پر جو کچھ قرآن سے معلوم ہوتا ہے اس کو ہم نے پیش کر دیا ہے۔ باقی رہیں صفات الٰہیہ پر متکلموں اور متصوفوں کی وہ تمام بحثیں اور تحقیقات جو مشائین اور اشراقیین کی تقلید و پیروی میں پیدا ہوئی ہیں اور جن میں علماء کا ایک گروہ برابر مبتلا چلا آ رہا ہے، اس کو ہم نے قصداً بحث سے خارج کر دیا ہے۔ اقامت دین، اتباع شریعت اور دعوت دینی کے لیے ان کی ضرورت نہیں۔ اس وقت صرف اس چیز کی ضرورت ہے کہ قرآن نے جو کچھ کہا ہے اور جن دلائل کے ساتھ کہا ہے اس کو عام فہم انداز میں لوگوں کے سامنے رکھ دیا جائے۔ ہمارے خیال میں سلیم الفطرت انسانوں کے دل و دماغ کے لیے اس سے زیادہ لذیذ اور زود ہضم غذا کوئی اور نہیں۔

ایمان باللہ جب اپنے کامل و مکمل اور جامع و بسیط مفہوم و مدعا کے ساتھ انسان کے ذہن و خارج اور ظاہر و باطن پر چھا جاتا ہے تو اس کے اثرات و نتائج صریح طور پر محسوس ہونے لگتے ہیں، اور ایک مومن کی زندگی، ایک غیر مومن کی زندگی سے ہر حیثیت سے ممتاز نظر آنے لگتی ہے۔ اس کا رویہ اس کے ایمان کا پتہ دیتا ہے۔ وہ مجسم دعوت ایمانی بن جاتا ہے۔ وہ جہاں رہتا ہے خودی، خودداری اور خود اعتمادی کے ساتھ رہتا ہے اور اپنے ماحول پر اپنے استقلال فکر اور استقلال عمل کا اثر چھوڑتا ہے۔ وہ اپنے "خلیفۃ اللہ" ہونے کی حیثیت کو محسوس کر کے اصل مالک کی کبریائی و جبروت کے آگے خشوع و خضوع، عاجزی و انکساری، تواضع و فروتنی اختیار کرتا ہے، اور زندگی کے تمام نشیب و فراز میں صبر و توکل کے ساتھ شجاعانہ اقدام اور بہادرانہ طرز عمل کا بہترین مظاہرہ کرتا ہے۔ استغنا، قناعت اور بے نیازی سے دنیا اور اہل دنیا کے درمیان رہتے ہوئے اپنے عقائد و خیالات، اعمال و اخلاق، صفات و عادات میں اللہ کی صفات کا مظہر اور "تخلق باخلاق اللہ" کا جیتا جاگتا چلتا پھرتا نمونہ ہوتا ہے۔

(باقی)